واضح الدلالۃ الفاظ اور تفسیر قرآن

حافظ عبداللہ *

اصولیین کے نزدیک ہر لفظ اپنے معنی دو طرح سے بتلاتا ہے واضح طور پر یا مخفی طور پر، اس کو اصطلاح میں دلالت کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے لفظ کی دو قسمیں ہیں ایک واضح الدلالۃ اور دوسری غیر واضح الدلالۃ یعنی لفظ کی ایک قسم اپنے معنی یا اپنی مراد کو واضح اور صاف طور پر بتلاتی ہے اور دوسری قسم میں معنی واضح نہیں ہوتے۔ اسی تناظر میں ذیل میں قرآن مجید کے واضح الدلالۃ الفاظ اور ان کے تفسیر قرآن پر معنوی اثرات پر بحث کی جائے گی۔

واضح الدلالۃ الفاظ کی چار قسمیں ہیں: ظاہر، نص، مفسر اور محکم۔ ظہورِ معنی یا واضح الدلالۃ کے اعتبار سے لفظ کا چار میں حصر اس لیے ہے کہ اگر لفظ کے معنی ظاہر ہوں تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یا تو وہ معنی تاویل و تخصیص کا احتمال رکھے گا یا تاویل و تخصیص کا احتمال نہیں رکھے گا۔ اگر تاویل و تخصیص کا احتمال رکھتا ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی یا تو معنی کا ظہور فقط صیغہ سے ہو جائے گا یا فقط صیغہ سے اس کا ظہور نہ ہوگا بلکہ لفظ اس کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہوگا اگر معنی کا ظہور فقط صیغہ سے ہو جاتا ہے تو یہ "ظاہر" ہے اور اگر فقط صیغہ سے نہیں ہوتا بلکہ لفظ اس کو بیان کرنے کے لئے لایا جاتا ہے تو وہ "نص" ہے اور اگر وہ معنی تاویل و تخصیص کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا رسول ﷺ کے زمانہ میں نسخ کو قبول کیا ہوگا یعنی آپ کی موجودگی میں جب وحی کا نزول ہو رہا تھا نسخ کا احتمال رکھتا تھا یا نسخ کو قبول نہیں کیا ہوگا یعنی آپ کے زمانے میں بھی نسخ کا احتمال نہیں رکھتا تھا، اگر اول ہے تو "مفسر" ہے اور اگر ثانی ہے تو اس کو "محکم" کہتے ہیں۔

مولوی محمد یعقوب البنانی فرماتے ہیں:

> ''لانہ ان ظہر معناہ فاما ان یحتمل التاویل اولا فان احتمل التاویل فان کان ظہور معناہ بمجرد صیغہ فہو الظاہر والا فالنص وان لم یحتمل التاویل فان قبل النسخ فہو المفسر وان لم یقبل فہو المحکم۔''(۱)

''اس لئے کہ اگر لفظ کا معنی ظاہر ہو (تو پھر دو حال سے خالی نہیں) یا تو وہ تأویل کا احتمال رکھے گا یا نہیں، پس اگر وہ تأویل کا احتمال رکھتا ہو تو پھر معنی کا ظہور فقط صیغہ سے ہو جائے تو ظاہر ہے وگرنہ نص اور اگر وہ معنی تاویل کا احتمال نہیں رکھتا (تو پھر دو حال سے خالی نہیں) اگر اس نے نسخ کو قبول کیا ہوگا تو مفسر ہے اور اگر نہیں قبول کیا تو محکم۔''

اب واضح الدلالۃ الفاظ کی ہر قسم کی تعریف اور حکم قرآنی امثلہ کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

*اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

ظاہر:

واضح الدلالۃ الفاظ میں سب سے پہلا درجہ "ظاہر" کا ہے یعنی ظہورِ معنی میں سب سے ادنیٰ درجہ ظاہر کا ہے۔ ظاہر کے لغوی معنی واضح کے ہیں۔

علامہ بزدویؒ اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"فان الظاهر اسم لکل کلام ظهر المراد به للسامع بصيغته." (۲)

"ظاہر اس کلام کا نام ہے جس کی مراد سننے والے کے لئے اس کے صیغہ سے ظاہر ہو جائے۔"

اور علامہ سرخسیؒ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"واما الظاهر فهو ما يعرف المراد منه بنفس السماع من غير تأمل، وهو الذی يسبق الی العقول والاوهام لظهوره موضوعا فيما هو المراد." (۳)

"ظاہر وہ کلام ہے جس کی مراد غور و فکر کئے بغیر نفس سماع سے ہی معلوم ہو جاتی ہے اور وہ عقل وفہم کے لیے اپنے ظہور کے باعث فوری واضح ہوتا ہے نیز جو مراد ہو اس کے لیے ہی وضع کیا گیا ہوتا ہے۔"

علامہ نسفیؒ علامہ بزدویؒ کے اتباع میں "ظاہر" کی تعریف انہی الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"واماالظاهر فاسم لکلام ظهر المراد به للسامع بصيغته." (۴)

"پس ظاہر اس کلام کا نام ہے جس کی مراد سامع کے لئے نفسِ صیغہ سے ہی ظاہر ہو جائے۔"

ملا جیون شرح نورالانوار علی المنار میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أی لا يحتاج الی الطلب والتأمل کما فی مقابلاتها ولا يزاد علی الصيغة شیءٌ آخر من السوق ونحوه کما فی النص، فخرج هذا کله من قوله بصيغته، لکن يشترط فی هذا کون السامع من أهل اللسان." (۵)

"یعنی (ظاہر) طلب وتأمل کا محتاج نہیں ہوتا جیسا کہ اس کے متقابلات میں احتیاج ہوتی ہے اور (معنی کی تفہیم کے لیے) صیغہ پر سیاقِ کلام وغیرہ کی زیادتی نہیں کی جاتی جیسا کہ نص میں کی جاتی ہے پس یہ ساری چیزیں مصنف کے قول "بصیغہ" سے خارج ہوگئیں لیکن اس بارے میں شرط یہ ہے کہ سامع اہلِ زبان ہو۔"

حاصل ان تمام تعریفات کا یہ ہے کہ ظاہر اس کلام کا نام ہے جس کے سنتے ہی سامع کو اس کلام کا مطلب اور مراد معلوم ہو جائے یعنی محض صیغہ سے کلام کی مراد سامع کے سامنے ظاہر ہو جائے اور مراد کے فہم میں طلب، تامل اور قرینہ کی احتیاج نہ ہو جیسا خفی، مشکل وغیرہ میں سامع طلب اور تامل کا محتاج ہوتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سامع اس زبان سے

آشنا ہو جس میں کلام کیا گیا ہے۔

اصول بزدوی اور اصول سرخسی میں نص، مفسر اور محکم کی مباحث کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر میں تاویل، تخصیص اور نسخ کا احتمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ادیب صالح نے ان منتشر مباحث سے جو تعریف اخذ کی ہے وہ زیادہ جامع ہے۔ فرماتے ہیں:

"هو الفظ الذی یدل علی معناه بصیغته من غیر توقف علی قرینة خارجية، مع احتمال التخصيص والتاويل وقبول النسخ." (٦)

"ظاہر وہ لفظ ہے جو بغیر کسی خارجی قرینہ پر دارومدار کے (فقط) نفس صیغہ سے اپنے معنی پر دلالت کرتا ہو اور اس میں تاویل، تخصیص اور قبول نسخ کا بھی احتمال ہو۔"

ظاہر کی مثالیں:

۱۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (۷)

"بیع کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔"

یہ آیت بیع کی حلت اور رباء کی حرمت میں "ظاہر" ہے اس لئے کہ بغیر کسی خارجی قرینہ کے صرف نفس صیغہ سے ہی بیع کی حلت اور ربا کی حرمت معلوم ہو رہی ہے جبکہ اس آیت کا نزول، بیع کی حلت اور ربا کی حرمت بتانے کے لئے نہیں ہوا بلکہ بیع اور ربا کی عدم مساوات کو بتلانے کے لئے ہوا ہے۔

۲۔ سورہ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (۸)

"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار سے نکاح کر لو۔ اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) مساوی سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے)"

یہ آیت بھی بغیر کسی خارجی قرینہ کے صرف نفس صیغہ سے ہی نکاح کی اباحت میں ظاہر الدلالۃ ہے جبکہ آیت کا نزول اس غرض کے لئے نہیں ہوا بلکہ عددی تحدید کے لئے ہوا ہے۔

ظاہر کا حکم:

علامہ بزدویؒ ظاہر کا حکم بیان کرتے ہیں:

"وحكم الظاهر وجوب العمل بالذى ظهر منه" (۹)

''ظاہر کا حکم ہے ہو کہ اس کے ظاہری موجب پر عمل کرنا واجب ہے۔''

اور علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"وحكمه لزوم موجبه قطعا عاما كان او خاصا." (۱۰)

''ظاہر کا حکم یہ ہے کہ یہ اپنے موجب کو یقینی و قطعی طور پر لازم کرتا ہے چاہے وہ (ظاہر) عام کی قبیل سے ہو یا خاص کی قبیل سے۔''

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ "کشف الاسرار" میں علامہ بزدویؒ کی عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لا خلاف فى انه موجب للعمل، وانما الخلاف فى انه يوجب الحكم على سبيل القطع او الظن فعند العراقيين والقاضى ابى زيد ومتابعيه حكمه التزام موجبه قطعا عاما كان او خاصا وعند الشيخ ابى منصور ومن تابعه من مشايخ ما وراء النهر وعامة الاصوليين حكمه وجوب العمل بما وضع له اللفظ ظاهراً لا قطعا ووجوب اعتقاد ان ما اراد الله تعالى منه حق." (۱۱)

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ظاہر سے عمل کا وجوب لازم ہوتا ہے۔ البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ یہ (ظاہر) حکم کو قطعی طور پر لازم کرتا ہے یا ظنی طور پر۔ پس اہلِ عراق، قاضی ابوزید اور ان کے متابعین کے ہاں ظاہر کا حکم اپنے موجب کو قطعی طور پر لازم کرنا ہے خواہ وہ (ظاہر) قبیل عام سے ہو یا قبیلِ خاص سے۔ جبکہ شیخ ابومنصور ماتریدی اور بعض مشائخ ماوراء النہر میں سے ان کے متابعین اور عام اصولیین کے نزدیک ظاہر کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے موضوع لہ میں عمل کو تو واجب کرتا ہے لیکن ظاہری طور پر (ظن راجح / غالب کے طور پر) نہ کہ قطعی طور پر البتہ اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی اس سے جو بھی مراد ہے وہ حق ہے۔''

حاصل یہ ہے کہ حنفی اصولیین میں قاضی ابوزیدؒ، فخر الاسلام بزدویؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ اور اہل عراق کا مذہب ظاہر کے حکم کے بارے میں یہ ہے کہ اس سے جو مطلب ظاہر ہوتا ہے قطعی اور یقینی طور پر اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظاہر مجاز کا احتمال رکھتا ہے یعنی تاویل، تخصیص اور نسخ کا لیکن یہ احتمال چونکہ کسی دلیل سے پیدا نہیں ہوتا اس

لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ملا جیونؒ نے علامہ نسفیؒ کی عبارت جس میں ظاہر کا حکم فخر الاسلامؒ بزدوی کی اتباع میں بیان کیا گیا، کی شرح کرتے ہوئے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شرح نور الانوار علی المنار میں لکھتے ہیں:

" وحكمه وجوب العمل بالذى ظهر منه على سبيل القطع واليقين، حتى صح اثبات الحدود والكفارات بالظاهر لان غايته انه محتمل المجاز وهو احتمال غير ناشىء من دليل فلا يعتبر." (۱۲)

''اور ظاہر کا حکم یہ ہے کہ متکلم کے کلام سے جو معنی ظاہر ہوتے ہیں ان پر قطعی اور یقینی طور پر عمل کرنا واجب ہو، یہاں تک کہ ظاہر سے حدود و کفارات کا اثبات صحیح ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظاہر مجاز کا احتمال رکھتا ہے لیکن یہ احتمال بلا دلیل ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔''

نص:

نص کے لغوی معنی بلند کرنا، نمایاں کرنا کے ہیں:

ابن منظور لسان العرب میں تحریر کرتے ہیں:

''النص، رفعك الشىء نص الحديث ينصه نصا: رفعه وكل ما اظهر، فقد نص. وقال عمرو بن دينار: ما رايت رجلاً انص للحديث من الزهرى اى ارفع له واسند. يقال: نص الحديث الى فلان اى رفعه، وكذلك نصصته اليه. ونصت الظبية جيدها: رفعته ووضع على المنصة اى على غاية الفضيحة والشهرة والظهور والمنصة: ما تظهر عليه العروس لترى.'' (۱۳)

''النص: تیرا کسی شے کو بلند کرنا، نص الحدیث ینصہ نصا: اس نے اس کو بلند آواز سے کہا۔ پس ہر وہ چیز جو ظاہر کی جائے تو وہ نص ہے۔ عمرو بن دینار کا قول ہے میں نے زہری سے زیادہ حدیث میں 'انص' شخص نہیں دیکھا۔ یعنی ارفع اور اسناد میں اعلیٰ۔ اسی طرح کہا جاتا ہے **نص الحديث الى فلان** یعنی اس کو بلند (یعنی حدیث کی سند کو کسی اوپر والے راوی تک پہنچایا) کیا اسی طرح نصصتہ الیہ استعمال ہوتا ہے۔ **ونصت الظبية جيدها** کا مطلب ہوتا ہے ہرنی نے اپنی گردن بلند کی۔ وضع علی المنصۃ کا مطلب، رسوائی، شہرت اور ظہور کی انتہا کو پہنچایا۔ المنصۃ جس پر دلہن کو بٹھایا جاتا ہے۔ تا کہ دیکھی جا سکے۔''

علامہ بزدویؒ نص کی لغوی تحقیق کے تحت لکھتے ہیں:

"ماخوذ من قولهم نصصت الدابة اذا استخرجت بتكلفك منها سيرا فوق سيرها المعتاد وسمي مجلس العروس منصة لانه ازداد ظهورا على ساير المجالس بفضل تكلف اتصل به." (۱۴)

"یعنی نص کا لفظ نصصت الدابۃ سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ کسی جانور کو اس کی عام رفتار سے زیادہ پر آمادہ کریں اور مجلس عروس کو منصہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ تکلفات وغیرہ کے ذریعے اس کا ظہور زیادہ ہوتا ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ نص کے لغوی معنی بلند ہونا، نمایاں ہونا اور ظہور کا زیادہ ہونا کے ہیں اور مصرح کلام کو نص اس لئے کہتے ہیں کہ سوق وغیرہ کی وجہ سے "ظاہر" کے مقابلہ میں اس میں وضوح وظہور زیادہ ہوتا ہے۔

علامہ بزدویؒ نص کی اصطلاحی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"واماالنص فما ازداد وضوحاً على الظاهر بمعنى من المتكلم لا فى نفس الصيغه."(۱۵)

"اور نص وہ کلام ہے جو ظاہر کی بہ نسبت زیادہ واضح ہو (مگر یہ وضاحت) متکلم کی طرف سے (توضیح معنی کے سبب) ہو نہ کہ نفس صیغہ کے سبب۔"

اور علامہ سرخسیؒ نص کی اصطلاحی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"واما النص فما يزداد وضوحا بقرينة تقترن باللفظ من المتكلم ليس فى اللفظ ما يوجب ذالك ظاهرا بدون تلك القرينة. " (۱۶)

"نص وہ کلام ہے جو (ظاہر کی بہ نسبت) زیادہ واضح ہوتا ہے اس قرینہ کی وجہ سے جو متکلم کی طرف سے لفاظ کے ساتھ ملا ہوتا ہے جبکہ فقط لفظ میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ بغیر قرینہ کے وہ کلام کو اتنا واضح کر سکے۔"

یعنی نص وہ کلام ہے جو ظاہر کی نسبت زیادہ واضح ہو مگر یہ وضاحت متکلم کی طرف سے ہو نہ کہ نفسِ صیغہ سے۔ مراد یہ ہے کہ نص سے ایسے معنی سمجھ میں آئیں جو ظاہر سے سمجھے نہیں گئے تھے اس سبب سے کہ متکلم اس نظم کو اس معنی کے لئے لایا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ معنی محض صیغہ سے سمجھ میں آئے ہوں اور علامہ سرخسیؒ کا یہ فرمانا متکلم کی طرف سے لفظ کیساتھ ایسا قرینہ ملا ہوتا ہے جس کی بناء پر نص کے معنی ظاہر سے زیادہ واضح ہوتے ہیں کیونکہ ظاہر اس قرینہ سے خالی ہوتا ہے اور یہ قرینہ سیاق کلام ہے جو متکلم کی طرف سے ہے۔

علامہ سرخسیؒ اس کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

"فیکون النص ظاهرا لصیغه الخطاب نصا باعتبار القرینة التی کان السیاق لاجلها، وبیان هذا فی قوله تعالیٰ: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ فانه ظاهر فی اطلاق البیع النص فی الفرق بین البیع والربا بمعنی الحل والحرمة، لان السیاق کان لاجله، لانها نزلت ردا علی الکفرة فی دعواهم المساواة بین البیع والربا، کما قال تعالیٰ: وقوله تعالیٰ: ﴿فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ ظاهر فی تجویز نکاح ما یستطیبه المرء من النساء نص فی بیان العدد، لأن سیاق الآیة لذلک." (۱۷)

''پس کلام صیغہ خطاب کی نسبت سے ظاہر ہوتا ہے جبکہ سوق کلام کے قرینہ کی بابت نص بن جاتا ہے۔ اس کی وضاحت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ پس یہ اطلاق بیع میں ظاہر ہے جبکہ بیع اور رباء میں حلت و حرمت کے حوالے سے فرق کرنے میں نص ہے۔ چونکہ سوقِ کلام کا مقصد یہی ہے اس لئے کہ یہ آیت کفار کے اس دعوی کے رد میں نازل ہوئی جو کہ انہوں نے بیع و ربوٰ میں مساوات کے حوالے سے کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد﴿فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾اباحتِ نکاح میں ظاہر ہے اس شخص کے حق میں جو عورتوں سے خواہش نکاح رکھتا ہو جبکہ عدد نساء کے معاملہ میں نص ہے اس لئے کہ آیت کو لانے کا مقصد یہی ہے۔''

یعنی سورۃ البقرہ کی آیت بیع کی حلت اور ربوٰ کی حرمت میں ظاہر ہے تو بیع اور ربا میں عدم مساوات میں نص ہے اس لئے کہ سوق کلام کے قرینہ کے نص کے ساتھ مقترن ہونے کی وجہ سے ہی اس میں "ظاہر" سے زیادہ وضوح اور ظہور ہوتا ہے۔ اس طرح سورالنساء کی آیت اباحت نکاح میں اگر "ظاہر" ہے تو بیان عدد میں نص ہے اس لئے کہ کلام کو اس غرض کے لئے لایا گیا ہے اور متکلم کی طرف سے کلام کا اس قرینہ سے مقترن ہونا وضوح اور ظہور میں زیادتی کا باعث ہے جس سے "ظاہر" خالی ہے۔

علامہ نسفی اپنی عادت کے موافق نص کی تعریف فخر الاسلام بزدویؒ کی اتباع میں، اس طرح لکھتے ہیں:

"واماالنص فما ازداد وضوحا علی الظاهر لمعنی من المتکلم لا فی النفس الصیغة" (۱۸)

''اور نص وہ کلام ہے جو ظاہر کی بہ نسبت زیادہ واضح ہو (مگر یہ وضاحت) متکلم کی طرف سے توضیح معنی کے سبب ہو نہ کہ نفس صیغہ کے سبب۔''

اور ملا جیونؒ شرح نورالانوار علی المنار میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"یعنی یفهم منه معنی لم یفهم من الظاهر بسبب ان المتکلم ساق ذلک النظم لذلک المعنی لا بمجرد فهمه من الصیغة، والمشهور فیما بین القوم ان فی النص یشترط السوق وفی الظاهر عدم السوق فیکون بینهما مباینه، فاذا قیل: جاء نی القوم، کان نصا فی مجیئ القوم واذا قیل: رایت فلانا حین جاء نی القوم، کان لضاً فی الرؤیة ظاهرا فی مجیء القوم، ولکن ذکر فی عامة الکتاب ان الظاهر اعم من ان یشترط فیه السوق اولا، والنص یشترط فیه السوق البتة، وهکذا حال کل قسم فوقه من المفسر والمحکم، فان بعضه اولی من بعض بحیث یوجد الادنی فی الاعلی فیکون بینهما عموم وخصوص مطلقا." (۱۹)

"یعنی نص سے ایسے معنی سمجھ میں آئیں جو ظاہر سے نہیں سمجھے گئے تھے اس سبب سے کہ متکلم اس نظم کو اس معنی کے لئے لایا ہے ایسا نہیں کہ وہ معنی محض صیغہ سے سمجھ میں آتے ہیں اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ نص میں سوق شرط ہے اور ظاہر میں عدم سوق شرط ہے لہٰذا ان دونوں کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی پس جب کہا جائے "جاء نی القوم" تو یہ کلام قوم کی آمد کے سلسلے میں نص واقع ہوگا اور جب کہا جائے کہ "رایت فلانا حین جاء نی القوم" تو یہ کلام رویت میں نص اور مجیءِ قوم میں ظاہر واقع ہوگا لیکن متقدمین کی عام کتب میں یہی مذکور ہے کہ ظاہر اس بات سے عام ہے کہ اس میں سوق پائے جانے کی شرط ہو یا نہ ہو البتہ نص میں سوق شرط ہے۔ یہی حال ہر اس قسم کا ہے جو نص سے اوپر ہے یعنی مفسر اور محکم اس لئے کہ ان اقسام میں بعض، بعض سے اولیٰ ہے اس طور پر کہ ادنیٰ اعلیٰ میں موجود ہے پس ظاہر اور نص کے درمیان عموم وخصوص مطلق ہوگا۔"

ملا جیون نے ظاہر اور نص اور اسی طرح ظاہر، نص، مفسر اور محکم مین باہمی نسبت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ نص میں سوق اور ظاہر میں عدم سوق شرط ہے لہٰذا ان دونوں کے درمیان تباین کی نسبت ہے مگر متقدمین کی کتب کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی ظاہر عام مطلق ہے اس بات سے کہ ظاہر اس بات سے عام ہے کہ اس میں سوق پایا جائے یا نہ پایا جائے اور نص خاص مطلق ہے اس طور پر کہ اس میں سوق کا پایا جانا شرط ہے پس جو کلام نص واقع ہوگا وہ ظاہر تو ہوسکتا ہے مگر جو کلام ظاہر واقع ہوگا اس کے لئے نص ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہی حال ہر اوپر والی قسم کا ہے یعنی ہر اوپر والی قسم نیچے والی قسم سے خاص ہوگی۔ مثلاً نص سے اوپر مفسر ہے اور مفسر

سے اوپر محکم ہے لہٰذا جس طرح ظاہر اور نص کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے اسی طرح نص اور مفسر کے درمیان اور مفسر اور محکم کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ان چاروں قسموں میں چونکہ بعض، بعض سے ادنی اور اعلیٰ ہیں اور ادنی اعلیٰ میں موجود ہوتا ہے اس لئے ظاہر نص میں، نص مفسر میں اور مفسر محکم میں موجود ہوگا۔

ڈاکٹر ادیب صالح نے علامہ دبوسیؒ، علامہ بزدویؒ اور علامہ سرخسیؒ تینوں ائمہ کی "نص" سے متعلق مباحث سے جو تعریف اخذ کی ہے وہ زیادہ جامع ہے۔رقمطراز ہیں:

"اللفظ الذی یدل علی الحکم، الذی سیق لاجله الکلام دلالة واضحه، تحتمل التخصیص والتاویل، احتمالاً اضعف من احتمال الظاهر ، مع قبول النسخ فی عهد الرسالة." (۲۰)

''(نص سے مراد) ایسا لفظ جو اپنے اس حکم پر واضح طور پر دلالت کرے جس کے لیے کلام کو لایا گیا ہے اور وہ ظاہر کی نسبت تاویل و تخصیص کا کمزور احتمال رکھتا ہے اور عہد رسالت میں وہ قبولیت نسخ کا محتمل تھا۔''

حاصل یہ ہے کہ نص میں ظاہر سے زیادہ وضوح ہوتا ہے اور نص میں سوق کلام شرط ہے، تخصیص و تاویل کا احتمال ظاہر کے مقابلے میں اس میں کم پایا جاتا ہے رسول ﷺ کی زندگی میں "ظاہر" کی طرح "نص" میں بھی نسخ کا احتمال تھا۔

نص کا حکم:

علامہ بزدویؒ ظاہر کا حکم بیان کرنے کے بعد نص کا حکم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وکذلک حکم النص وجوب العمل بما وضح واستبان به علی احتمال التاویل هو فی حیز المجاز." (۲۱)

''اور نص کا حکم اس معنی پر عمل کا واجب ہونا ہے جو معنی اس سے ظاہر اور بین ہوں (اور) اس کے ساتھ ساتھ مجاز کے ضمن میں تاویل کا احتمال بھی ہو۔''

یعنی ظاہر کی طرح نص کا حکم بھی اسی معنی پر عمل کا وجوب ہے جو معنی اس سے واضح ہوں اس کے ساتھ ساتھ مجاز کے ضمن میں تاویل کا احتمال بھی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ نص سے جو معنی ثابت اور واضح ہوں ان پر عمل کرنا واجب ہے مگر اس میں تاویل کا احتمال باقی رہتا ہے اس طرح کہ نص اگر عام ہے تو تخصیص کا احتمال رکھتی ہے اور اگر نص حقیقت ہے تو مجاز کا احتمال رکھتی ہے۔

علامہ بزدویؒ کی مذکورہ عبارت میں لفظ "تاویل" تخصیص اور مجاز دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ تاویل کا معنی ہیں "**هو صرف اللفظ عن معناه الظاهر**" یعنی لفظ کو اس کے ظاہر معنی کے خلاف کی طرف پھیرنا اور یہ پھیرنا خواہ تخصیص

کے ذریعہ ہوخواہ مجاز کے ذریعہ۔ پس لفظ تاویل تخصیص اور مجاز دونوں کو شامل ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے ظاہر اور نص کا حکم ان معنی پر عمل کا واجب ہونا ہے جو ان سے واضح ہو رہے ہیں، پر اتفاق ہے ہاں ظاہر کی طرح اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ وجوب قطعی ہے یا ظنی؟

مشائخ عراق جن میں ابوالحسن الکرخی، ابوبکر جصاص ہیں ان کا مذہب ہے کہ ظاہر اور نص سے جو ثابت ہوتا ہے اس پر عمل قطعی اور یقینی طور پر واجب ہوتا ہے۔ قاضی ابوزید دبوسی اور عام معتزلہ کا مذہب بھی یہی ہے علامہ بزدویؒ نے اسی مذہب کو اصول بزدوی میں بیان کیا ہے۔

"وحكم الاول (اى ظاهر) ثبوت ماانتظمه يقينا و كذلك الثانى (اى النص) الاان هذا عند التعارض اولى منه." (۲۲)

"اول (یعنی ظاہر) کا حکم اپنے شمول کو یقینی طور پر ثابت کرنا ہے اور اس طرح ثانی (یعنی النص) کا بھی (یہی حکم ہے) مگر تعارض کے وقت (قسم) ثانی اول پر فائق ہوگئی۔"

اس کے مقابلے میں دوسرا مذہب جو شیخ ابو منصور ماتریدی، اصحاب الحدیث اور بعض معتزلہ کا ہے کہ ظاہر اور نص کے معنی جو واضح ہو رہے ہیں ان پر عمل واجب ہے مگر قطعیت کے ساتھ نہیں۔

علامہ عبدالعزیز بخاری نے جو خود مذہب اول کے قائل ہیں وضاحت کے ساتھ اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"وحاصله ان ما دخل تحت الاحتمال، وان كان بعيدا لا يوجب العلم بل يوجب العمل عندهم كخبر الواحد والقياس. وعندنا لا عبرة للاحتمال البعيد وهو الذى لا تدل عليه قرينة لان ناشىء عن ارادة المتكلم وهى امر باطن لا يوقف عليه والاحكام لا تعلق بالمعانى الباطنة كرخص المسافر لا تتعلق بحقيقة المشقة والنسب باعلاق والتكليف باعتدال العقل لكونها امورا باطنة، بل بالسفر الذى هو سبب المشقة والفراش الذى هو دليل الاعلاق والاحتلام الذى هو دليل اعتدال العقل." (۲۳)

"اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان (ابو منصور و اصحابہ) کے نزدیک جو چیز احتمالات میں داخل ہو جاتی ہے اگر چہ وہ احتمال بعید (مشکل الوقوع) ہی کیوں نہ ہو تب بھی وہ علم کو یقینی طور پر ثابت نہیں کر سکتی، بلکہ صرف وجوب عمل کا فائدہ دیتی ہے جیسا کہ خبر واحد اور قیاس جبکہ ہمارے ہاں احتمال بعید کا بالکل اعتبار نہیں کیا جاتا اس لیے۔ اس پر کوئی قرینہ دال نہیں ہوتا، اس لیے کہ جو احتمال ارادہ متکلم کے بارے میں پیدا ہو وہ ایسا امر باطنی (مخفی) ہوتا ہے کہ جس پر اطلاع نہیں پائی جا سکتی اور (قاعدہ

یہ ہے کہ)احکام معانی باطنیہ سے متعلق نہیں ہوتے ،جیسا کہ مسافر کی رخصت (فی تقصیر الصلوہ) مشقت حقیقی سے تعلق نہیں رکھتی اور نسب علاقہ (تعلق) سے اور تکلیف (مکلف ہونا) اعتدال عقل سے تعلق نہیں رکھتا اس لیے کہ یہ تمام امور باطنی ہیں بلکہ (مسافر کی رخصت) اس سفر سے تعلق رکھتی ہے جو مشقت کا سبب بنتا ہے اور نسب (کا تعلق) اس فراش سے ہے جو علاقہ کی دلیل بنے اور تکلیف کا تعلق بلوغت سے ہے جو اعتدال عقل کی بنیاد بنتی ہے۔''

علامہ نسفی: "المنار" میں اپنی عادت کے موافق "نص" کا حکم علامہ بزدویؒ کی اتباع میں بیان کرتے ہیں:

''وحكمه وجوب العمل بما وضح على احتمال تاويل هو في حيز المجاز.'' (۲۴)

''نص کا حکم اس معنی پر عمل کا واجب ہونا ہے جو معنی اس سے واضح ہوں (اور) اس کے ساتھ ساتھ مجاز کے ضمن میں تاویل کا احتمال بھی ہو۔''

اور ملا جیونؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اى حكم النص وجوب العمل بالمعنى الذى وضح منه مع احتمال تاويل كان فى المعنى المجاز، وهذه التأويل قد يكون فى ضمن التخصيص بان يكون عاما يحتمل التخصيص ، وقد يكون فى ضمن غيره بان يكون حقيقته تحتمل المجاز فلا حاجة الى ان يقال على احتمال تاويل و تخصيص كما ذكره غيره، ولما احتمل هذا الاحتمال النص كان الظاهر الذى دونه اولى بان يحتمله ولكن مثل هذه الاحتمالات لا تضر بالقطعية.'' (۲۵)

''یعنی نص کا حکم اس معنی پر عمل کا واجب ہونا ہے جو معنی اس سے واضح ہوں (اور) اس کے ساتھ ساتھ مجاز کے ضمن میں تاویل کا احتمال بھی ہو اور یہ تاویل کبھی تخصیص کے ضمن میں ہوتی ہے بایں طور کہ نص عام ہو تخصیص کا احتمال رکھتی ہو اور کبھی غیر تخصیص کے ضمن میں ہوتی ہے بایں طور کہ نص، حقیقت ہو، مجاز کا احتمال رکھتی ہو، پس علی احتمال تاویل و تخصیص کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ ان کے علاوہ نے ذکر کیا ہے اور جب نص یہ احتمال رکھتی ہے تو ظاہر جو اس سے نیچے کے مرتبہ میں ہے بدرجہ اولیٰ اس کا احتمال رکھے گا لیکن ایسی طرح کے احتمالات قطعی ہونے کیلیے مضر نہیں ہیں۔''

حاصل اس کا یہی ہے کہ نص اور ظاہر دونوں میں تاویل اور تخصیص کا احتمال قطعیت کے منافی نہیں ہے ان احتمالات کے باوجود نص اور ظاہر کے معنی پر عمل قطعی اور یقینی طور پر واجب ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اپنی کتاب "اصول الفقہ الاسلامی" میں نص کے حکم سے متعلق مباحث کا حاصل جامع انداز میں

بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حکم النص هو حکم الظاهر: وهو وجوب العمل بمعناه المتبادر منه المقصود بالذات والاصالة، مع احتمال التاويل ان كان (خاصا) والتخصيص ان كان (عاما) واحتمال النسخ ايضا، لكن لما كانت هذه الاحتمالات لا تستند الى دليل، كان حكمه قطعيا اى يقينا، ثم ان احتماله للتاويل ابعد من احتمال (الظاهر) له." (۲۶)

"نص حکم میں مثل ظاہر ہے، اور وہ یہ کہ نص کا ایسا معنی متبادر جو مقصود بالذات ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے (اور) ساتھ ساتھ (نص) خاص ہونے کی صورت میں تاویل اور عام ہونے کی صورت میں تخصیص کا احتمال رکھے گی اور اسی طرح احتمال نسخ بھی باقی ہوگا لیکن جب یہ احتمالات بلا دلیل ہوں تو تب اس کا حکم قطعی ویقینی ہوگا۔ پس اس (النص) میں ظاہر کی بہ نسبت تاویل کا احتمال بہت کم ہوتا ہے۔"

مفسر:

مفسر باب تفعیل یعنی تفسیر کا اسم مفعول ہے اور فسر سے ماخوذ ہے جس کے معنی کشف و بیان کے ہیں اور مفسر کے معنی مکشوف و مبیّن کے ہیں۔

اصول فقہ کی اصطلاح میں "مفسر" وہ کلام ہے جس میں نص کی بہ نسبت وضاحت اس قدر زیادہ ہو کہ اس میں تاویل و تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے۔

علامہ بزدویؒ لکھتے ہیں:

"واما المفسر فما ازداد وضوحا على النص سواء كان بمعنى فى النص او بغيره بان كان مجملافلحقه بيان قاطع فانسد به التاويل او كان عاما فلحقه ما انسد به باب التخصيص." (۲۷)

"اور مفسر وہ کلام ہے جس میں نص سے زیادہ وضاحت ہو۔ قطع نظر اس سے کہ وہ وضاحت (بیان) نص سے متصل ہو یا اس سے منفصل، اس طور پر کہ کلام مجمل تھا پھر اسے کوئی قطعی بیان لاحق ہو گیا جس سے تاویل کا دروازہ بند ہو گیا یا وہ کلام عام تھا پس اسے کوئی ایسا بیان لاحق ہو گیا جس سے تخصیص کا دروازہ بند ہو گیا۔"

یعنی مفسر کے اندر نص سے زیادہ وضاحت پائی جاتی ہے چاہے یہ وضوح و بیان اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو یعنی نص میں کوئی ایک کلمہ ہو جس سے تخصیص و تاویل کا احتمال منقطع ہو جاتا ہو یا کسی اور طریقہ سے۔ اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے

اقوال وافعال ہیں یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنے قول وفعل سے اس کی ایسی تفسیر بیان کر دی ہے جس سے تاویل وتخصیص کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ، علامہ بزدویؒ کی مذکورہ عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

''معنی قوله بمعنی فی النص أن البیان یکون متصلا به کما فی قوله تعالیٰ (اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا) (المعارج: ۱۹-۲۱) فسر الهلوع الذی کان مجملا ببیان متصل به'' (۲۸)

''علامہ بزدویؒ کے قول "بمعنی فی النص" سے مراد ایسا بیان ہے جو نص سے متصل ہو جیسا کہ قول باری تعالیٰ (اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا) پس لفظ "الھلوع" جو کہ مجمل تھا اس کی بیان متصل سے وضاحت کی گئی۔''

اس مثال میں لفظ "ھلوع" جو کہ مجمل ہے کی تفسیر خود نص ہی میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے کی وجہ سے مفسر ہو گیا۔ اب کسی تاویل کا احتمال نہیں رہا اور دوسری مثال صلوہ اور زکوہ کی دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ﴿اقیمو الصلوہ واتو الزکوۃ﴾ شرعی اصطلاح کے طور پر بیان ہوا ہے نہ کہ لغوی اعتبار سے اور شرعی اصطلاح کی وضاحت وتفسیر نبی کریم ﷺ نے اپنے اقوال وافعال سے فرما کر تاویل کا دروازہ بند کر دیا اور اب یہ الفاظ "صلوہ، زکوہ" وغیرہ مجمل نہیں رہے کہ تاویل وتفسیر کی ضرورت لاحق ہو بلکہ مفسر بن گئے ہیں۔

علامہ نسفیؒ المنار میں فخر الاسلام کے اتباع میں لکھتے ہیں:

''واما المفسر: فما ازداد وضوحا علی النص علی وجه لا یبقی معه احتمال التاویل والتخصیص.'' (۲۹)

''اور مفسر وہ کلام ہے جس میں نص سے زیادہ وضاحت ہو ایسے طریقہ پر کہ اس کے ساتھ تاویل اور تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے۔''

اور ملاجیون شرح نور الانوار علی المنار میں اس کی شرح میں بیان کرتے ہیں:

''سواء انقطع ذلک الاحتمال ببیان النبی علیه السلام بان کان مجملا فلحقه بیان قاطع بفعل النبی علیه السلام و بقوله فصار مفسرا، و با یراد الله تعالیٰ کلمة زائده ینسد بها باب التخصیص.'' (۳۰)

''برابر ہے کہ وہ احتمال رسول اکرم ﷺ کے بیان سے منقطع ہو اس طور پر کہ کلام مجمل تھا پھر اسے

رسول ﷺ کے فعل یا قول سے کوئی قطعی بیان لاحق ہو گیا، پس وہ کلام مفسر ہو گیا یا (وہ احتمال) اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایسے کلمہ زائدہ کے لانے سے (منقطع ہو) جس سے تخصیص کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔''

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''واما المفسر فھو اسم للمکشوف الذی یعرف المراد بہ مکشوفا علی وجہٍ لا یبقی معہ احتمال التاویل فیکون فوق الظاھر والنص، لان احتمال التاویل قائم فیھما منقطع فی المفسر.'' (۳۱)

''اور مفسر نام ہے ایسے کلام کا جس کی مراد اس قدر واضح ہوتی ہے کہ اس میں تاویل کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا، پس وہ (مفسر) ظاہر و نص کی بہ نسبت زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں (ظاہر و نص) میں تاویل کا احتمال باقی رہتا ہے جبکہ مفسر میں وہ احتمال منقطع گیا۔''

یعنی نص اور ظاہر میں تاویل و تخصیص کا احتمال ہوتا ہے جبکہ مفسر میں یہ احتمال بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے اس لیے یہ نص اور ظاہر سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔

مفسر کی مثالیں:

علماء اصول نے اپنی کتب میں مفسر کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں ان میں چند ایک بیان کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (۳۳)

''اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ پرہیز گاروں کیساتھ ہے۔''

اس آیت میں لفظ "مشرکین" تخصیص کا احتمال رکھتا تھا لیکن لفظ "کافۃ" سے اس احتمال کو ختم کر دیا گیا لہٰذا اب یہ مفسر ہو گیا۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ (۳۴)

''اور جو لوگ پرہیز گار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو اُن کو اسی دُرے مارو۔''

اس آیت میں قذف کی سزا "ثمانین جلدہ" یعنی اسی کوڑے بیان کی گئی ہے۔ "ثمانین" عدد ہے اور عدد زیادتی اور نقصان کا احتمال نہیں رکھتا لہٰذا مفسر ہے۔

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (۳۵)

''بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب اُن کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرے مارو۔''

اس آیت میں زانی اور زانیہ کی سزا مائۃ جلدہ یعنی سو کوڑے بیان ہوئی ہے۔ مائۃ عدد ہے جو زیادتی اور نقصان کے احتمال سے بالا ہے لہٰذا مفسر ہے۔

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ (۳۶)

''تو فرشتے تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔''

لفظ الملئکۃ تخصیص کا احتمال رکھتا تھا مگر کلھم نے اس احتمال کو ختم کر دیا اور اس طرح یہ احتمال باقی تھا کہ بیک وقت سب فرشتوں نے سجدہ کیا یا متفرق طور پر اجمعون نے اس تاویل کا بھی احتمال ختم کر دیا اس طرح یہ مفسر ہو گیا۔

مفسر کا حکم:

مفسر کا حکم علامہ بزدویؒ اس طرح بیان لکھتے ہیں:

''وحکم المفسر وجوب العمل علی احتمال النسخ.'' (۳۷)

''اور مفسر کا حکم نسخ کے احتمال کے ساتھ اس پر عمل واجب ہونا ہے۔''

اور علامہ سرخسیؒ کہتے ہیں:

''وتبین ان المفسر حکمه زائد علی حکم النص والظاهر فکان ملزما موجبه قطعا علی وجه لا یبقی فیه احتمال التاویل ولکن یبقی احتمال النسخ.'' (۳۸)

''اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مفسر کا حکم نص وظاہر کی بہ نسبت قوی ہوتا ہے اور اپنے موجب کو اس طرح قطعی طور پر لازم کرتا ہے کہ اس میں تاویل کا احتمال باقی نہیں رہتا لیکن تنسیخ کا احتمال باقی رہتا ہے۔''

یعنی مفسر کا حکم تاویل و تخصیص کے احتمال کے بغیر قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔ نسخ کا احتمال ہوتا ہے لیکن یہ عہد رسالت تک ہی ہے آپ ﷺ کے بعد یہ احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ملاجیون نے المنار کی شرح میں وضاحت فرمائی:

''وحکمه وجوب العمل علی احتمال النسخ ای حکم المفسر وجوب العمل به مع احتمال ان یصیر منسوخا، وهذا فی زمن النبی فاما فیما بعده فکل القران محکم لا یحتمل النسخ.'' (۳۹)

''اور مفسر کا حکم نسخ کے احتمال کے ساتھ اس پر عمل کا واجب ہونا ہے یعنی مفسر کا حکم اس پر عمل کا واجب ہونا

ہے اس احتمال کے ساتھ کہ وہ منسوخ ہو جائے، اور یہ نسخ کا احتمال رسول پاک ﷺ کے زمانہ میں تھا پھر اس کے بعد پورا قرآن محکم ہو گیا، نسخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے۔''

ڈاکٹر محمد ادیب صالح" تفسیر النصوص" میں مفسر کے حکم کا حاصل بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

"وحكم المفسر: وجوب العمل بما دل عليه قطعا، حتى يقوم الدليل على نسخه، فالمفسر: لا مجال لان يصرف عن ان ظاهره ويراد منه معنى آ خر ، اذ لا يقبل التاويل ولاالتخصيص ، وانما يحتمل النسخ والتبديل، وذلک اذا ما دل عليه حكما من الاحكام الفرعية التى تقبل التبديل وما لم يقم دليل على النسخ، فوجب العمل بالمفسر قائم."

"وحرى بنا ان نلاحظ ان النسخ لا يكون الا بكتاب او سنة، وما دام الامر كذلک، فمجال النسخ فترة حياة النبى اذ لا وحى منزل، ولا سنة محدثة الا فى تلک الفترة. ما بعد وفاته عليه الصلوة والسلام. فجميع النصوص الكتاب والسنه محكم، لا تقبل النسخ و الابطال." (۴۰)

حاصل یہ ہے کہ مفسر کے مدلول پر عمل کرنا قطعی طور پر واجب ہے مفسر تاویل و تخصیص کے احتمال سے خالی ہوتا ہے نسخ کا احتمال رسول کی زندگی میں ہوتا ہے لیکن آپ کی وفات کے بعد نسخ کا احتمال ختم ہو گیا ہے لہٰذا اب پورا قران اس لحاظ سے محکم ہے۔

محکم:

محکم کے لغوی معنی متقن یعنی مضبوط و قوی کے ہیں اور محکم اس کلام کو کہتے ہیں جس کی مراد اور مطلب نہایت قوی اور مضبوط ہو اور اس میں نسخ اور تبدیلی کا احتمال ہرگز نہ ہو۔

علامہ بزدویؒ لکھتے ہیں:

"فاذا ازداد قوة واحكم المراد به عن احتمال النسخ والتبديل سمى محكما" (۴۱)

''پس جب وہ (مفسر کی بہ نسبت) قوت میں فائق ہو اور اس کی قوت و مضبوطی کی وجہ سے اس میں نسخ و تبدیلی کا احتمال نہ ہو، تو اسے محکم سے تعبیر کیا جائے گا۔''

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"(فاذا ازداد) اى المفسر، قوه (واحكم المراد به) الباء يتعلق بالاراده وضمن احكم معنى امتنعة و امن اى امتنع المعنى الذى اريد بالمفسر عن النسخ والتبديل وهم

متـرادفـان هھنـا (سـمـى مـحكما) فظهر بما ذكرانه لا بد من كون الكلام فى غاية الوضوح فى افادة معناه و كونه غير قابل للنسخ ليسمى محكما. " (۴۲)

''(فاذا ازداد) یعنی قوت میں وہ مفسر پر فائق ہو (واحکم المراد بہ) "بہ" کی باء ارادہ سے متعلق ہے اور لفظ "احکم" امتنع یا امن کے معنی کو متضمن ہے یعنی محکم کو اس معنی سے روک دیا گیا ہو جو مفسر میں نسخ و تبدیلی کے حوالے سے مراد لیا جاتا ہے تو اسے محکم کا نام دیا جائے گا، پس مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کلام کا اپنے معنی کو افادہ دینے میں انتہائی درجے میں واضح ہونا اور نسخ کو قبول نہ کرنا ضروری ہے تا کہ اسے محکم سے تعبیر کیا جا سکے۔''

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''واماالمحكم فهو زائد على ما قلنا باعتبار انه ليس فيه احتمال النسخ والتبديل، وهو مـاخـوذ من قولك: بناء محكم اى: مامون الانتقاض، واحكمت الصيغه اى: امنت نقضها وتبديلها. " (۴۳)

''محکم (مفسر پر) قوت میں زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا اس اعتبار سے کہ اس میں نسخ اور تبدیلی کا احتمال نہیں ہوتا اور یہ آپ کے اس قول سے ماخوذ ہے "بناء محکم" یعنی قطع کیے جانے سے محفوظ ہونا "واحکمت الصیغ" یعنی میں نے اسے نقض و تبدیل سے محفوظ بنا دیا۔''

علامہ بزدوی نے نص کی تعریف میں "واما النص فما ازداد وضوحا على الظاهر" اور مفسر کی تعریف میں "واما المفسر فما ازداد وضوحا على الظاهر" کہا ہے جبکہ محکم کی تعریف میں "فاذا ازداد قوة" کہا ہے وجہ اس کی یہ ہے نص میں ظاہر کے مقابلہ میں وضوح زیادہ پایا جاتا ہے۔ جبکہ محکم میں مفسر کی نسبت وضاحت زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ ظہور اور وضاحت کے مراتب مفسر پر تمام ہو جاتے ہیں البتہ مفسر کے مقابلہ میں "محکم" زیادہ قوی ہوتا ہے اس لیے کہ مفسر نسخ کا احتمال رکھتا ہے اور محکم نسخ کا احتمال نہیں رکھتا اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو کلام نسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو وہ زیادہ قوی ہوتا ہے بہ نسبت اس کلام کے جو نسخ کا احتمال رکھتا ہے اس لیے محکم کی تعریف میں "فاذا ازداد قوة" کا ذکر کیا گیا ہے۔

محکم کی تعریف میں دوسری بات جس کا ذکر ملا جیون نے شرح نورالانوار علی المنار میں فرمایا ہے، انتہائی اہم ہے۔ لکھتے ہیں:

''تـعـدية عـن هـهـنـا بتضمين معنى الامتناع، اى احكم المراد به حال كونه ممتنعاً عن احتـمـال الـنـسـخ والتبديل سواء كان انقطاع احتمال النسخ لمعنى فى ذاته كآيات التوحيد والصفات ويسمى محكماً لعنيه، و بوفاة النبى ويسمى محكما لغيره'' (۴۴)

''یہاں عن کے ساتھ متعدی کرنا امتناع کے معنی کی شمولیت کے لیے ہے یعنی محکم وہ کلام ہے جس کی مراد

قوی مضبوط ہو اس حال میں کہ اس کو نسخ اور تبدیل کے احتمال سے روک دیا گیا ہو، احتمال نسخ کا انقطاع خواہ اس کے ذاتی معنی کی وجہ سے ہو جیسے آیات توحید اور آیات صفات اس کو محکم بعینہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یا رسول ﷺ کی وفات کی وجہ سے ہو اور اس کو محکم لغیر ہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔''

مراد یہ ہے کہ احکام کا صلہ عن نہیں آتا ہاں اگر احکام امتناع کے معنی کو متضمن ہو تو وہ عن کے ساتھ متعدی ہو سکتا ہے۔ یہاں چونکہ احکام عن کے ساتھ متعدی ہے اس لیے امتناع کے معنی کو متضمن ہے یعنی محکم وہ کلام ہے جس کی مراد نہایت قوی ہو اس حال میں کہ اس کو نسخ اور تبدیل کے احتمال سے روک دیا گیا ہو۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''فالمحکم ممتنع من احتمال التاویل، ومن ان یرد علیه النسخ والتبدیل، ولهذا سمی الله تعالیٰ المحکمات ام الکتاب ای: الاصل الذی یکون المرجح الیه بمنزلة الام للولد فانه یرجح الیها، وسمیت مکة ام القری لا ن الناس یرجعون الیها للحج وفی آخر الامر، والمرجح مالیس فیه احتمال التاویل ولا احتمال النسخ والتبدیل، وذلک نحو قوله تعالیٰ: (ا ن الله بکل شیء علیم) فقد علم ان هذا (وصف) دائم لا یحتمل السقوط بحال. '' (۴۵)

''پس محکم احتمال تاویل سے محفوظ ہوتا ہے اور اس بات سے بھی کہ اس پر نسخ و تبدیل کا وارد ہو، اس وجہ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے محکمات کو ام الکتاب قرار دیا ہے یعنی (محکمات) وہ اصل ہیں جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جیسا کہ ماں بچے کے لیے کیونکہ وہ بچہ اسی کی طرف لوٹتا ہے اور شہر مکہ کو ام القریٰ کا نام دیا گیا ہے اس لیے کہ لوگ حج و دیگر امور کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مرجع وہی ہو سکتا ہے جس میں تاویل اور نسخ اور تبدیل کا احتمال نہ ہو اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ﴿ان الله بکل شیء علیم﴾ پس تحقیق جان لیا گیا کہ (اللہ سبحانہ کہ ذات سے منسوب) یہ وصف دائمی ہے جو کسی صورت بھی سقوط کا متحمل نہیں ہو سکتا۔''

پھر یہ احتمال نسخ کا انقطاع اگر اس کے ذاتی معنی کی وجہ سے ہو جیسے آیات توحید اور آیات صفات تو اس کو محکم لعینہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اگر رسول کریم ﷺ کی وفات کی وجہ سے ہو تو اس کو محکم لغیر ہ کہا جاتا ہے۔

محکم کی ان دو اقسام یعنی محکم لذاتہ اور محکم لغیر ہ کا ذکر علامہ عبدالعزیز بخاریؒ نے اصول بزدوی کی شرح کشف الاسرار میں بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ثم انقطاع احتمال النسخ قد یکون لمعنی فی ذاته بان لا یحتمل التبدیل عقلا کالایات الدالة علی وجود الصانع وصفاته جل جلاله وحدوث العالم ویسمی هذا

محکما لعینه وقد یکون بانقطاع الوحی بوفاة النبی ویسمی هذا محکما لغیره"(۴۶)

''پھر یہ احتمال نسخ کا انقطاع بعض اوقات اس کے ذاتی معنی کی وجہ سے ہوتا ہے بایں معنی کہ وہ عقلی طور پر تبدیلی کا متحمل نہیں ہو سکتے، جیسا کہ وہ آیات جو وجود خالق کائنات اور اس کی صفات اور حدوث عالم پر دلالت کرتی ہیں تو اس کو محکم لعینہ کا نام دیا جاتا ہے اور بعض اوقات رسول ﷺ کی وفات کی بدولت انقطاع وحی کی وجہ سے ہوتا ہے تو اسے محکم لغیرہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔''

محکم لذاتہ:

محکم لذاتہ کی پہلی قسم میں وہ تمام آیات ہیں جو بنیادی عقائد یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسل، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب اور ایمان بالآخرہ سے متعلق ہیں اسی طرح جو قصص و واقعات سے متعلق اخبار ہیں یا اخلاق وفضائل سے متعلق وہ تمام احکامات جو عقل سلیم کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور احوال وظروف کے اختلاف سے ان میں کوئی ردو بدل نہیں ہوسکتا مثلاً والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، ایفائے عہد وغیرہ۔

محکم لذاتہ کی دوسری قسم میں وہ جزوی وفروعی احکامات ہیں جن کیساتھ تابید یا دوام کی تصریح موجود ہے مثلاً نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی نکاح کی حرمت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾ (۴۷)

''اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغمبر الٰہی کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑا (گناہ کا کام) ہے۔''

اسی طرح محصنات پر تہمت لگانے والے کی گواہی کی عدم قبولیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (۴۸)

''اور جو لوگ پرہیز گار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو اُن کو اسی دُرے مارو اور کبھی اُن کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکردار ہیں۔''

محکم لغیرہ:

مفسر کلام تمام کا تمام رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد محکم ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ اب اس میں کسی قسم کے نسخ یا تبدیلی کا احتمال نہیں۔ جب نسخ یا تبدیلی کا احتمال آپ کی وفات کی وجہ سے منقطع ہو گیا تو اب اس عدم احتمال نسخ وتبدیل کی وجہ سے وہ بھی محکم ہو گیا۔

محکم کا حکم:

محکم کا حکم یہ ہے اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور اس میں کسی طرح کا کوئی احتمال نہیں ہوتا نہ تاویل و تخصیص کا نہ نسخ کا۔ علامہ بزدویؒ لکھتے ہیں:

"وحکم المحکم وجوب العمل به من غیر احتمال." (۴۹)

"اور محکم کا حکم بغیر کسی احتمال کے اس پر عمل کا واجب ہونا ہے۔"

علامہ نسفی بھی فخر الاسلام بزدوی کی اتباع میں محکم کا حکم انہی الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور ملا جیون اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لا احتمال التاویل والتخصیص ولا احتمال النسخ فهو تم القطعیات فی افاده الیقین." (۵۰)

"یعنی نہ تاویل و تخصیص کا احتمال ہو اور نہ ہی نسخ کا احتمال ہو پس محکم مفید یقین ہونے میں تمام قطعیات سے افضل اور اکمل ہے۔"

ڈاکٹر ادیب صالح "تفسیر النصوص" میں محکم کے حکم سے متعلق مباحث کا حاصل بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"وحکم المحکم : أنه یجب العمل به قطعا، فلا یحتمل صرفه عن ظاهره الی ای معنی آخر، کما انه لا یحتمل النسخ والابطال. ومن هنا کانت دلالته علی الحکم ، اقوی من جمیع الانواع السابقه، فاللفظ مسوق لبیان هذا الحکم، والاحتمال بجمیع انواعه منتف عنه لذا کان طبیعیا ان یقدم علی ای نوع من انواع الواضح یتعارض معه، ویحمل ذلک النوع الآخر علیه." (۵۱)

"اور محکم کا حکم یہ ہے کہ اس پر قطعی طور پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، پس وہ محکم اس بات کا احتمال نہیں رکھتا کہ اسے ظاہری معنی سے کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دیا جائے اسی طرح وہ نسخ وابطال کا احتمال نہیں رکھتا، اس وجہ سے حکم پر دلالت کے حوالے سے وہ تمام انواع سابقہ سے زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ لفظ کا سیاق اسی حکم کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔ احتمال کی تمام انواع سے محکم محفوظ ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ فطری ہے کہ اسے تعارض کے وقت واضح الدلالہ الفاظ کی ہر نوع پر مقدم رکھا جائے اور دوسری نوع کے معانی کو محکم کے معانی پر محمول کیا جائے۔"

حواشی وحوالہ جات

۱۔ البنانی، مولوی محمد یعقوب، الحاشیہ لمولینا محمد یعقوب البنانی، اشہور بمولوی الحسامی، پشاور، مکتبہ حقانیہ، س ن، ۲۶

۲۔ بزدوی، علی بن محمد، فخر الاسلام، کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، کراچی، امیر محمد کتب خانہ، س۔ن، ۸

۳۔ سرخسی، محمد بن احمد، اصول، تحقیق ابوالوفاء افغانی، لاہور، دار المعارف النعمانیہ، طبع اول، ۱۹۸۱ء، ۱/۱۷۹

۴۔ بخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ۱/۲۰۵

۵۔ ملا جیون، شیخ احمد، شرح نور الانوار علی المنار مع کشف الاسرار علی المنار، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ۱/۲۰۵، ۲۰۶

۶۔ صالح، محمد ادیب تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی، بیروت، المکتب الاسلامی، طبع سوم، ۱۹۸۴ء، ۱/۱۴۳

۷۔ البقرہ، ۲:۱۷۵

۸۔ النساء، ۴:۳

۹۔ کنز الوصول، ۷۳، ۷۴

۱۰۔ اصول سرخسی، ۱/۱۷۹

۱۱۔ کشف الاسرار، ۲/۵۰

۱۲۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۶

۱۳۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، جمال الدین، لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، ۱۴۰۵ھ، ۷/۹۸

۱۴۔ کنز الوصول، ۸

۱۵۔ کنز الوصول، ۸

۱۶۔ اصول سرخسی، ۱/۱۷۹

۱۷۔ اصول سرخسی، ۱۷۹، ۱۸۰

۱۸۔ کشف الاسرار شرح مصنف علی المنار، ۱/۲۰۶

۱۹۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۶

۲۰۔ تفسیر النصوص، ۱/۱۴۹

۲۱۔ کنز الوصول، ۷۴

۲۲۔ کنز الوصول، ۱/۷۵

۲۳۔ کشف الاسرار، ۱/۷۵

۲۴۔ کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ۱/۲۰۷

۲۵۔ کشف الاسرار، ۱/۲۰۷

۲۶۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۷

۲۷۔ الزحیلی، ڈاکٹر، وہبہ، اصول الفقہ الاسلامی، طہران، دار احسان، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ۱/۳۲۰

۲۸۔ کنز الوصول، ۸۰

۲۹۔ کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ۱/۲۰۸

۳۰۔ کشف الاسرار، ۱/۲۰۸

۳۱۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۸

۳۲۔ اصول سرخسی، ۱/۱۸۰

۳۳۔ التوبہ ۹:۳۶

۳۴۔ النور ۲۴:۴

۳۵۔ النور ۲۴:۲

۳۶۔ ص ۳۸:۷۳

۳۷۔ کنز الوصول، ۷۳

۳۸۔ اصول سرخسی، ۱/۱۸۰

۳۹۔ شرح نور الانوار، ۱/۱۶۹، ۱۷۰

۴۰۔ تفسیر النصوص، ۱/۱۶۹، ۱۷۰

۴۱۔ کنز الوصول، ۹

۴۲۔ کشف الاسرار، ۱/۸۰

۴۳۔ اصول سرخسی، ۱/۸۱

۴۴۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۹

۴۵۔ اصول سرخسی، ۱/۱۸۱

۴۶۔ کشف الاسرار، ۱/۸۰-۱۸۱

۴۷۔ الاحزاب ۳۳:۵۳

۴۸۔ النور ۲۴:۴

۴۹۔ کنز الوصول، ۷۴

۵۰۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۹، ۲۱۰

۵۱۔ تفسیر النصوص، ۱/۱۷۵